لیکن اس کے متنوع مفاسد کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے لیے نہ اسپرم بینک کا قیام جائز ہے نہ وہاں سے اسپرم کی خرید وفروخت کی اجازت ہے۔ڈاکٹر عبداللہ بن محمد الطیار، استاذ الدراسات العلیا، کلیۃ الشریعۃ والدراسات العلیا، جامعۃ القصیم، سعودی عرب نے اپنے ایک مقالے میں اس موضوع سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بانجھ پن پوری دنیا اور خاص کر مغربی دنیا کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔اس لیے اس کے علاج کا جو طریقہ بھی ہو، اسے طبی حلقوں اور عوام میں قبولِ عام حاصل ہوتا ہے۔ اولاد کے حصول کے لیے بہت سے طریقے رائج ہو گئے ہیں، لیکن وہ شرعی طور پر جائز نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک ناجائز طریقہ مرد کے نطفے کی خرید وفروخت اور مصنوعی تلقیح میں اس کا استعمال ہے۔ مغرب میں اس کے لیے مخصوص بینک قائم ہو گئے ہیں، جہاں نطفے جمع کیے جاتے ہیں اور لوگ اپنی پسند کے نطفے وہاں سے خریدتے ہیں۔ یہ چیز اسلام میں مطلق حرام ہے۔ اس میں بہت سے مفاسد پائے جاتے ہیں۔اس طریقے سے ایسے بچے پیدا ہوں گے جن کا صحیح نسب غیر معروف ہوگا۔ مصنوعی تلقیح کا جواز صرف بانجھ پن اور عدمِ تولید کی چند مخصوص حالتوں میں ہی ہوسکتا ہے، جب کہ اس میں مادّی، معاشرتی، اخلاقی اور قانونی اعتبار سے بہت سے مفاسد ہیں۔ مصنوعی تلقیح کے یہ جدید طریقے صحیح شرعی نکاح کو کالعدم کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ان سے فطرت کی خلاف ورزی ہورہی ہے، اخلاقی اور اجتماعی مسائل پیدا ہورہے ہیں اور دنیا میں ایسی نسل ظاہر ہورہی ہے جس کا نسب معلوم نہیں اور ایسے خاندان وجود میں آرہے ہین جن کے درمیان رشتۂ ازدواج نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نطفہ کی خرید وفروخت حرام ہے اور مسلمانوں کے لیے اسپرم بینک قائم کرنا جائز نہیں۔ یہ عمل شرعاً حرام ہے، اس لیے کہ اس میں بہت سے غیر شرعی کام لازم آتے ہیں، جن سے فطرتِ سلیمہ ابا کرتی ہے۔'' [۱۱]

اسپرم بینک خدائی ہدایات اور الٰہی شریعت سے بے پروا مغربی تہذیب کا شاخسانہ ہے۔ اس سے اجتناب کے ساتھ اس کے اخلاقی، سماجی اور روحانی مفاسد کو بھی نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔

# حواشی ومراجع

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: محمد رضی الاسلام ندوی، تخلیق انسانی کے مراحل اور قرآن کا سائنسی اعجاز، اسلامک بک فاونڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۴ئ، ص ۲۴۔۲۵

۲۔ ملاحظہ کیجیے: محمد رضی الاسلام ندوی، مقالات طب، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۶ء جلد اول، ص ۷۔۸، مقالہ: مصنوعی طریق ہائے تولید اور اسلام

۳۔ حوالہ سابق، مزید ملاحظہ کیجیے: منور احمد انیس، مقالہ: تولیدی حیاتیات، اردو ترجمہ: اسرار احمد خاں، سہ اشاعتی مجلہ آیات علی گڑھ، جلد ا، شمارہ ا، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۰ئ، ابو الفضل محسن ابراہیم، جدید حیاتیاتی مسائل اور اسلام، اردو ترجمہ: اسرار احمد خاں، مرکز الدراسات الاسلامیۃ علی گڑھ، ۱۹۹۵ء

۴۔ ابن ابی الدنیا، کتاب الورع، حدیث نمبر ۱۳۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تفسیر الاسرائ: ۳۲۔ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، لیکن اس کا مضمون قرآنی آیات اور دیگر احادیث سے ثابت ہے۔

۵۔ فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، تفسیر آیت الاسرائ: ۳۲

۶۔ الشیخ محمود شلتوت، الفتاوی، دار الشروق القاہرۃ، ۲۰۰۴ئ ص ۲۸۱

۷۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لانکاح الا بولی: ۵۱۲۷

۸۔ ملاحظہ کیجیے: شادیۃ الصادق الحسن، حکم الاسلام فی التلقیح الصناعی، مجلۃ العلوم و البحوث الاسلامیۃ، السودان، العدد ۲، فبرائر ۲۰۱۱، ص۹ بہ حوالہ احمد محمد لطفی، التلقیح الصناعی بین اقوال الاطباء وآراء الفقہائ، طبع ۲۰۰۶ئ، ص ۱۰۴۔ محمد احمد طہ، الانجاب بین التحریم و المشروعیۃ، توزیع: مسأۃ المعارف بالاسکندریۃ، ۲۰۰۳ئ ص ۱۲۰

۹۔ جدید حیاتیاتی مسائل اور اسلام، ص ۹۳

۱۰۔ ملاحظہ کیجیے: رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۲، ص ۱۹۴، ۲۰۵۔۲۰۶، جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل (بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کے فقہی اجلاسوں کی قراردادیں اور سفارشات)، ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی، ۲۰۰۶ئ، ص ۵۱

۱۱۔ د۔ عبد اللہ بن محمد الطیار، الضوابط الشرعیۃ فی المعاوضۃ علی الحقوق و الالتزامات، www.m-islam.net، بحث: بیع المنی

☆☆☆

## تحقیق وتنقید

# سابقہ شریعتوں سے استدلال اور امام بخاریؒ کا موقف

جناب عبدالغفار

بنی نوع انسان ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے محتاج رہے ہیں۔ ان کی کام یابی وکام رانی اس کے بغیر ناممکن ہے۔ جب بھی انھوں نے اس سے منہ موڑا وہ ناکام رہے۔ (البقرۃ:۳۸-۳۹) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اسی ہدایت کا نام اسلام ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ترین دین ہے۔ (آل عمران:۱۹) حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء ورسل اسی دین کی تعلیم وتبلیغ کے لیے بھیجے گئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے پوتے حضرت یعقوبؑ نے اپنی ذریت کو اسی کی وصیت کی تھی۔ (البقرۃ:۱۳۲)

دین اور شریعت معمولی فرق کے ساتھ علمائے اصولیین کے نزدیک مترادف الفاظ ہیں۔ اس بحث میں 'شرع من قبلنا' (گذشتہ اقوام کی شریعتوں) کی حجّیت پر علماء اصولیین کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے خصوصی طور پر سید المحدثین امام بخاریؒ کا موقف صحیح بخاری کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، تاکہ اس کی بنیاد پر مکالمہ بین المذاہب کی راہیں ہموار ہوسکیں۔

### شریعت کا مفہوم

اہل لغت کے ہاں 'الشریعۃ' کا معنیٰ وہ جگہ ہے جہاں سے لوگ پانی لیتے اور پیتے ہیں۔ اسی معنی میں شرع اور شرعۃ کو بھی استعمال کیا جاتا ہے، یعنی وہ جگہ جہاں سے پانی جاری ہو اور ختم نہ ہونے والا ہو۔ [۱] اسی سے واضح اور کھلے راستے کو شریعت کہا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الجاثیۃ:۱۸)

پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر (قائم) کر دیا۔لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

سابقہ شریعتوں سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں کے لیے بھیجے تھے اوران کے نبیوں اور رسولوں پر نازل کیے تھے، تاکہ وہ انہیں اپنی امتوں تک پہنچا دیں۔

## سابقہ شریعتوں کی اقسام

سابقہ شریعتوں کی درج ذیل چار اقسام بیان کی گئی ہیں:

### ۱۔جن کا ذکر شریعت اسلامیہ میں نہیں ہے

اس سے مراد وہ احکام ہیں جو شریعت اسلامی میں مذکور نہیں ہیں، یعنی قرآن مجید اور سنت رسول میں انہیں بیان نہیں کیا گیا ہے۔ ایسے احکام کے بارے میں علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ وہ ہمارے لیے حجت نہیں ہیں۔

### ۲۔شریعت اسلامیہ میں مذکور احکام

وہ احکام جنہیں شریعت اسلامی نے بیان کیا ہے اور قرآن مجید یا سنت رسول میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ وہ احکام ہم پر بھی اسی طرح فرض ہیں جس طرح سابقہ امتوں پر فرض تھے۔ یہ قسم بلانزاع شرعی حجت ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں سابقہ امتوں پر روزہ کی فرضیت کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی امت مسلمہ پر بھی اس کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ:۱۸۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم میں تقوی کی صفت پیدا ہو۔

اسی طرح قربانی شریعتِ ابراہیمی کی نشانی ہے جسے شریعت اسلامی میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

سنة أبیكم إبراهیم۔ ۲؎

یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔

### ۳۔شریعت اسلامیہ سے منسوخ احکام

اس سے مراد وہ احکام ہیں جن کا ذکر قرآن مجید یا سنت نبویؐ میں کیا گیا ہے، لیکن ان کا منسوخ ہونا ان کی کسی نص سے ثابت ہے۔شریعت اسلامیہ، شرائع سابقہ کے جن احکام کی ناسخ ہے وہ بالاتفاق ہمارے لیے شرعی حجت نہیں ہیں۔مثلا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (الانعام:۱۴۶)

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانوروں کو حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ہم نے ان پر حرام کی دی تھیں، مگر ہاں ان دونوں کی وہ چربی جو ان کی پیٹھ پر یا ان کی آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا ان کی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ حرام نہیں تھی۔ ہم نے ان کو یہ سزا ان کی شرارت اور سرکشی کی وجہ سے دی تھی اور یقیناً ہم سچے ہیں۔

آیت بالا کے مطابق یہود کے لیے جو چیزیں حرام قرار دی گئی تھیں، قرآن و سنت کی دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے لیے حرام نہیں ہیں۔

سابقہ امتوں پر مالِ غنیمت حرام تھا۔وہ اسے ایک جگہ پر جمع کر کے رکھ دیتیں اور آسمان سے آگ آکر اسے بھسم کر دیتی تھی، جب کہ امت مسلمہ کے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دے دیا گیا۔شریعت اسلامی نے مال غنیمت کی حرمت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

و أحلت لی الغنائم ولم تحلّ لأحد من قبلی۔۳؎

اور میرے لیے غنیمت کے اموال حلال کر دیے گئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ کیے گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں گناہوں سے توبہ کا طریقہ اپنی جانوں کو قتل کرنا تھا۔قرآن کریم میں ہے:

فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ (البقرۃ:۵۴)

لہٰذا تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔اسی میں تمہارے خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ پر احسان فرمایا کہ اگر اس سے تعلق رکھنے والے صدق دل سے اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگ لیں تو ان کی بخشش ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم: ۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، خالص توبہ۔

۴۔ شریعتِ اسلامیہ میں مذکور ایسے احکام جن کا نہ اقرار ہے نہ انکار:

شرائع سابقہ کے وہ احکام جن کا ذکر قرآن مجید یا سنت میں ہوا ہے، لیکن دونوں نے نہ ان کا اقرار کیا ہے اور نہ انکار۔ یعنی شریعت اسلامیہ میں ان احکام کی فرضیت یا منسوخی کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً تورات کا ایک حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بیان فرمایا ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (المائدۃ: ۴۵)

تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کرے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔

شرائع سابقہ کے احکام کی اس قسم کے شرعی حجت ہونے یا نہ ہونے کے مسئلہ پر علمائے اصول کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ احکام حجت تسلیم کیے جائیں گے، جب کہ بعض کے ہاں ایسے احکام، شریعت اسلامیہ کا حصہ نہیں، لہٰذا وہ حجت نہیں ہیں۔ ذیل میں دونوں گروہوں کے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔

## قائلین (حجت تسلیم کرنے والے) اور ان کے دلائل

علمائے اصول کا ایک گروہ شرائع سابقہ کے احکام کو شرعی دلیل اور حجت تسلیم کرتا ہے۔ ان علماء کے نزدیک سابقہ شریعتوں کے جو احکام ہماری شریعت میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ شریعت اسلامیہ کی کسی نص سے منسوخ نہیں ہوئے ہیں، وہ اب سابقہ شریعتوں کے احکام نہیں رہے، بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کا حصہ ہیں، لہٰذا وہ

ہمارے لیے حجت ہیں۔ البتہ شرائع سابقہ کے احکام معلوم کرنے کے لیے یہود ونصاری کی کتب کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں۔ ان کی روایات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتب میں تحریفات کر دی ہیں اور ان کی روایات میں تواتر بھی مفقود ہے۔ لہٰذا ان کے بارے میں وہی کچھ معتبر اور قابل اعتماد ہے جو وحی متلو (قرآن مجید) یا وحی غیر متلو (سنت) کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

شرائع سابقہ کو حجت تسلیم کرنے والوں میں جمہور اصحاب امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)، بعض اصحاب شافعیہ اور جمہور حنابلہ شامل ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے بھی ایک روایت ہے کہ شرائع سابقہ کے جن احکام کا نسخ ثابت نہیں ہے ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہ حضرات اپنے موقف کی تائید میں جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے چند اہم یہ ہیں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۰)

وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے۔ (اے نبی) انہی کے راستے پر آپ چلیں۔

اس آیتِ کریمہ میں بنی اسرائیل کے انبیاء کرامؑ کو ہدایت یافتہ کہا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے راستے پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ لہذا ان کی شریعت آپؐ کی بھی شریعت ہے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (النحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے آپؐ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلیں۔

اس آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیمؑ کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

احادیث نبوی سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے اصحاب کے ہم راہ غزوۂ خیبر سے لوٹے تو رات کو ایک جگہ قیام فرمایا۔ تھکن کی وجہ سے سب دیر تک سوتے رہ گئے، یہاں تک کہ ان کی نمازِ فجر قضا ہو گئی۔ بیدار ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اپنے صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھائی، پھر فرمایا:

من نسی صلوۃ الفجر فلیصلّھا اذ ذکرھا، فان اللہ قال وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔ ۵؎ — جو شخص نماز فجر بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے اس وقت اسے پڑھ لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

قرآن مجید کی جس آیت (طٰہٰ: ۱۴) کا حوالہ حدیث بالا میں موجود ہے، اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شرائع سابقہ کے احکام ہمارے لیے حجت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے رات کو نوافل پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے کا معمول بنالیا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

فصم صوم داؤد علیہ السلام، کان یصوم یوماً ویفطر یوما۔ ۶؎ — حضرت داؤدؑ کا سا روزہ رکھو۔ وہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ آپؐ کو معلوم ہوا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو دریا میں غرق کردیا تھا اور حضرت موسیٰؑ کو نجات دی تھی، اس کے شکرانے کے طور پر یہود عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

أنا أولیٰ بموسی منھم۔ ۷؎ — میں ان کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہوں۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

> ''زیادہ راجح اور حق کے قریب قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملتِ ابراہیمی کی شریعت کے زیادہ تابع تھے۔ آپ ملتِ ابراہمی کو تلاش کرتے اور جو بات اس سے ثابت ہوتی اس پر عمل پیرا ہوتے۔'' ۸؎

## منکرین اور ان کے دلائل

جو علماء شرائع سابقہ کی عدم حجیت کے قائل ہیں ان میں امام ابن حزم، امام

غزالی، امام رازی، ابن سمعانی، خوارزمی، ابو اسحاق شیرازی، نووی، قاضی اسماعیل بن اسحاق مالکی، ابن العربی رحمہم اللہ اور اشاعرہ و معتزلہ شامل ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک بھی یہی مؤقف راجح ہے۔ ۹؎

یہ حضرات اپنے موقف کے حق میں درج ذیل دلائل بیان کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (المائدۃ:۴۸)

ہم نے تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کر دی ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ہر امت کے لیے الگ شریعت ہے، لہٰذا ایک امت دوسری امت کی شریعت کی مکلف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف امتیں پیدا کی ہیں، جو اپنی اپنی شریعتوں پر عمل کرنے کی مکلف تھیں۔ تمام زمانوں کے انسان ایک امت نہیں، بلکہ مختلف امتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ مختلف امتیں ہوں اور ان کی الگ الگ شریعتیں ہوں۔ اس تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (المائدۃ:۴۸)

اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا، لیکن یہ اس نے اس لیے نہیں کیا کہ جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب گورنر بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا: جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ انھوں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پھر فرمایا: اگر سنت میں بھی نہ پاؤ؟ انھوں نے عرض کیا: پھر میں اپنی عقل، غور و فکر اور رائے سے فیصلہ کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سینہ تھپکا اور فرمایا:

الحمد لله الذی وفّق رسول رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما یرضی رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ۱۰؎

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اگر شرائع سابقہ کے احکام حجت ہوتے تو حضرت معاذؓ اس موقع پر ان کا ذکر ضرور کرتے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تورات کا کچھ حصہ دیکھا تو ناراضی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| لو کان موسی حیاً بین أظھر کم ما حلّ له الاّ أن یتبعنی۔۱۱؎ | اگر موسیٰؑ بھی آج تمہارے درمیان زندہ ہوتے تو ان کے لیے میرا اتباع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ |

## شرائع سابقہ سے شریعت محمدیؐ کا ربط

گزشتہ پیغمبروں کی شریعتیں ان کی امتوں کے لیے خاص تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کسی زمان و مکان اور قوم کے لیے خاص نہیں، بلکہ قیامت تک تمام انسانوں کے لیے ہے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۱۳ **شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا۔۔۔الآیۃ** کی تفسیر میں لکھا ہے:

> ''شرع کے معنی راستہ بنانے کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد طریقہ اور ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا ہے۔ عربی زبان میں اسی اصطلاحی معنی کے لحاظ سے 'تشریع' کا لفظ 'قانون سازی' (Legislation) کا 'شرع' اور 'شریعت' کا لفظ 'قانون' (Law) اور 'شارع' کا لفظ 'واضع قانون' (Law giver) کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ یہ تشریعِ خداوندی دراصل فطری اور منطقی نتیجہ ہے ان اصولی حقائق کا جو اوپر آیت نمبر ۹،۱ اور ۱۰ میں بیان ہوئے ہیں کہ اللہ ہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے اور وہی انسان کا حقیقی ولی ہے۔۔۔ اس لیے لامحالہ وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ انسان کے لیے قانون وضابطہ بنائے اور اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ انسانوں کو یہ قانون وضابطہ دے۔۔۔ دین کی نوعیت رکھنے والی یہ تشریع وہی ہے جس کی ہدایت نوح اور ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کو دی گئی تھی اور اسی کی ہدایت اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی ہے۔ اس ارشاد سے کئی باتیں نکلتی ہیں۔۔۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس تشریع کو براہ راست ہر انسان کے پاس نہیں بھیجا ہے، بلکہ وقتاً فوقتاً جب اس نے مناسب سمجھا ہے،

ایک شخص کو اپنا رسول مقرر کر کے یہ تشریع اس کے حوالے کی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ تشریع ابتدا سے یکساں رہی ہے۔۔۔۔ تیسرے یہ کہ اللہ کی سیادت و حاکمیت ماننے کے ساتھ ان لوگوں کی رسالت کو ماننا، جن کے ذریعہ سے یہ تشریع بھیجی گئی ہے اور اس وحی کو تسلیم کرنا، جس میں یہ تشریع بیان کی گئی ہے، اس دین کا لازمی جز ہے۔'' ۱۲؎

## امام بخاریؒ کا موقف و منہج

امام بخاریؒ کے انداز اور رجحان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مذہبِ جمہور راجح ہے۔ انھوں نے اپنی صحیح کے بہت سے ابواب میں امم سابقہ کی شرائع سے استدلال کیا ہے، چاہے ان کا تذکرہ کتاب اللہ میں آیا ہو یا حدیث رسول میں۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہت سے تراجمِ ابواب منعقد کیے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ''امام بخاریؒ نے متعدد مقامات پر ماقبل شرائع سے استدل کیا ہے''۔ ۱۳؎

چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

پہلی مثال: امام بخاریؒ نے ایک جگہ یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے:

باب من اغتسل عریاناً وحده فی الخلوة ومن تستّر فالتستّر أفضل۔

یہ بیان کہ ایک شخص نے تنہائی میں عریاں ہو کر غسل کیا اور دوسرے نے کپڑا باندھ کر غسل کیا تو کپڑا باندھ کر غسل کرنا افضل ہے۔

اس کے تحت انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے:

کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراة ینظُر بعضهم الی بعضٍ وکان موسیٰ یغتسل وحده، فقالوا واللہ ما یمنع موسیٰ ان یغتسل معنا الاّ انه آدَرُ، فذهب مرة یغتسل، فوضع ثوبه علی حجرٍ، ففرّ الحجر بثوبه، فخرج موسیٰ فی إثره یقول ثوبی یاحجر،

بنو اسرائیل ننگے نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے، جب کہ موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہاتے تھے۔ بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کی وجہ یہ ہے کہ انھیں ہائیڈروسیل کی بیماری ہے۔ ایک بار آپؑ نہانے لگے تو پتھر آپ کے کپڑے لے بھاگا۔ موسیٰؑ السلام اس کے پیچھے دوڑے اور اسے کہتے رہے:

حتی نظرت بنو اسرائیل الی موسیٰ، فقالوا واللہ ما بموسی من بأس وأخذثوبه، فطفق بالحجر ضرباً۔ ۱۴؎

او پتھر میرے کپڑے۔ یہاں تک کہ بنو اسرائیل نے دیکھ لیا کہ ان کا خیال غلط تھا۔ انہوں نے اپنے کپڑے لیے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارا۔

اسی باب کے تحت دوسری حدیث بھی حضرت ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بینما أیوب یغتسل عریاناً فخرّ علیه جراد من ذهب، فجعل أیوب یحتثی فی ثوبه، فناداه ربه یا ایوب الم اکن اغنیتک عما تری؟قال بلی وعزّتک، ولکن لاغنی بی عن برکتک ۱۵؎

حضرت ایوبؑ برہنہ غسل فرمارہے تھے کہ اچانک ان پرسونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں۔ حضرت ایوبؑ انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ ان کے رب نے پکارا: اے ایوب! کیا ہم نے تمہیں اس سے بے نیاز نہیں کر دیا ہے؟ انھوں نے عرض کی: کیوں نہیں،مگر میں تیری برکات سے بے نیاز نہیں ہوں۔

ان دونوں احادیث میں دو انبیاء کے برہنہ ہوکر غسل کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس سے شرائع سابقہ سے عریاں نہانے کا جواز ملتا ہے۔اس کے ذریعے امام بخاریؒ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جنھوں نے تنہائی میں عریاں ہوکر نہانے کو ناجائز کہا ہے،مگر ستر ڈھانپ کر نہانا افضل قرار دیا ہے۔ دونوں احادیث میں امام بخاریؒ کے شیوخ مختلف ہیں۔ دونوں جگہ انھوں نے روایت کو بیان کرکے استنباطات کیے ہیں جو ان کی اجتہادی بصیرت کا واضح ثبوت ہیں۔

دوسری مثال: امام بخاری نے حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی یہ روایت بیان کی ہے:

أرسل ملک الموت الی موسی فلما جاءه صکّه، فرجع الی ربه فقال: أرسلتنی الی عبدٍ لا یرید الموت فردّ اللہ علیه عینه و قال ارجع الیه، فقل له یضع یده علی متن ثورٍ، فله بکل ما غطّت یده بکل شعرةٍ سنة، قال أی

ملک الموت کو آدمی کی شکل میں حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا گیا۔ وہ جب ان کے پاس گیا تو موسیٰؑ نے نہ پہچان کر اسے ایک زور کا طمانچہ مار دیا۔ وہ واپس اپنے رب کے حضور پہنچا اور عرض کیا: اے اللہ، تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ پہلے کی طرح کر دی اور کہا: دوبارہ جا اور ان سے کہہ کہ آپ اپنا ہاتھ ایک بیل

رب، ثم ماذا؟ قال ثم الموت، قال فالآن، فسأل اللّٰہ تعالیٰ أن یدنیہ من الأرض المقدسۃ رمیۃً بحجرٍ۔

کی پیٹھ پر رکھیے۔ جتنے بال آپ کے ہاتھ تلے آجائیں ان میں سے ہر بال کے بدلے آپ کو ایک سال کی زندگی دی جاتی ہے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ! پھر کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے بعد موت آئے گی۔ موسیٰؑ نے فرمایا: پھر ابھی کیوں نہ آجائے۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ انہیں ارض مقدس سے اتنا قریب کر دے کہ کوئی شخص پتھر پھینکے تو وہ ارض مقدس تک پہنچ جائے۔

یہ بیان کر کے حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں وہاں ہوتا تو تمھیں ان کی قبر دکھاتا، جو راستے کے کنارے لال ٹیلے کے پاس ہے''۔۱۶؎

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: ''باب من أحبّ الدفن فی الأرض المقدسۃ أو نحوھا'' (اس چیز کا بیان کہ کوئی شخص ارض مقدس یا ویسی ہی کسی جگہ دفن ہونے کا آرزو مند ہو۔) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بیت المقدس یا دیگر متبرک مقامات پر، دفن ہونے کی آرزو کرنا درست ہے۔

**تیسری مثال:** امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا:

أحبّ الصلاۃ الی اللہ صلاۃ داؤد وأحب الصیام الی اللہ صیام داؤد کان ینام نصف اللیل ویقوم ثلثہ وینام سدسہ ویصوم یوماً ویفطر یوماً۔۱۷؎

اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب نماز داؤدؑ کی نماز ہے۔ اسی طرح اس کو سب سے محبوب روزہ داؤدؑ کا روزہ ہے۔ وہ نصف شب سوتے تھے، پھر ایک تہائی شب عبادت کرتے تھے، پھر شب کا چھٹا حصہ سوتے تھے۔ اسی طرح وہ ایک دن وقفہ کر کے روزہ رکھا کرتے تھے۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ بڑا مبارک دن ہے۔ اس دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دی تھی۔ اس کے شکرانے کے طور پر

حضرت موسیٰؑ نے روزہ رکھا تھا۔ اسی لیے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

**فانا أحقّ بموسی منکم ۱۸؎** میں تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقے پر عمل کا مستحق ہوں۔

امام بخاریؒ نے ایک جگہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

**کان رسول اللہ ﷺ یحبّ موافقة أهل الکتاب فیما لم یؤمر فیه بشئ۔ ۱۹؎** رسول اللہ ﷺ ان باتوں میں، جن میں آپؐ کو کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا، اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے۔

امام بخاریؒ کی روایت کردہ ان احادیث اور حضرت ابن عباسؓ کے اثر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سابقہ شریعتوں کی وہ باتیں ہمارے لیے حجت ہیں۔

**چوتھی مثال:** امام بخاریؒ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کا واقعہ کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ قرآن کریم اور حدیث نبوی دونوں میں مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور خضر ایک بستی میں پہنچے، جہاں ایک دیوار گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر نے اس کی بلا اجرت مرمت کردی۔ اس پر حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الاجارۃ میں مروی حدیث پر یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے:

**باب اذا استاجر أجیراً علی أن یقیم حائطا یرید ان ینقضّ جاز۔** اس چیز کا بیان کہ کوئی شخص اس لیے مزدور حاصل کرے کہ وہ دیوار بنائے جو گرنے کے قریب ہو تو یہ جائز ہے۔

امام بخاریؒ کا یہ استنباط اس بات کی دلیل ہے کہ سابقہ شریعت ہمارے لیے حجت ہے۔

**پانچویں مثال:** امام بخاریؒ نے نماز جمعہ کی فرضیت ثابت کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: